ہندوستان سے ہجرت کے بعد مہاجرین کی بحالی میں علماء کا کردار

The Role of Religious Scholars in The Rehabilitation of Migrants After the Migration from India

Haseena Bibi
PhD Scholar, Bahauddin Zakaria University, Multan
Email: haseenaali006@gmail.com
Dr Munazza Hayat
Associate Professor, Bahauddin Zakaria University, Multan
Email: muazzahayat@bzu.edu.pk

Abstract

Following the partition of India in 1947, the migration of millions of Muslims to the newly formed state of Pakistan resulted in one of the largest humanitarian crises of the time. Amidst this chaos, religious scholars (Ulama) emerged as key figures in the relief and rehabilitation efforts for the migrants. Their role extended beyond spiritual guidance; they became frontline workers in addressing the immediate and long-term needs of the refugees.

Ulama personally visited refugee camps, distributed food, clothing, and essential supplies, and even turned religious institutions like mosques and madrasas into temporary shelters. Through organizations such as Jamiat Ulema-e-Islam and other religious networks, they coordinated aid distribution, helped in maintaining order, and raised awareness about the plight of refugees within society and government circles.

They also played a critical psychological role, offering sermons and counseling to instill hope, resilience, and a sense of brotherhood among the displaced. Their advocacy led to increased governmental attention toward refugee issues. Ultimately, the involvement of Ulama was not only an act of compassion but also a reflection of their deep-rooted sense of duty towards the Muslim Ummah and the stability of Pakistan. Their efforts laid a foundation for the moral and social rebuilding of the migrant population in a new homeland.

Keywords: Partition of India, Humanitarian Crisis, Refugee Camps, Religious Organizations, Spiritual Leadership, Charity, Public Welfare, National Unity, Religious Harmony

کلیدی الفاظ:

تقسیمِ ہند، انسانی بحران، مہاجر کیمپ، دینی جماعتیں، روحانی قیادت، خیرات، عوامی فلاح، قومی یکجہتی، مذہبی ہم آہنگی

تمہید

برصغیر میں مسلم حکمرانوں نے طویل عرصے تک حکمرانی کرتے ہوئے ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا تھا جو بین المذاہب رواداری کا حامل تھا، مگر برطانوی سامراج کی مداخلت نے اس ہم آہنگی کو ختم کر دیا۔ نتیجتاً برصغیر کی تقسیم عمل میں آئی اور دو آزاد ریاستیں، پاکستان اور بھارت، وجود میں آئیں۔اس تقسیم نے جہاں سیاسی سرحدیں کھینچیں وہیں خوفناک فسادات، قتل و غارت اور تاریخ کی سب سے بڑی انسانی ہجرت جیسے اندوہناک سانحات کو بھی جنم دیا۔

اگر ہم تقسیم ہند کے اسباب کا جائزہ لیں تو یہ واضح ہوتا ہے کہ اس میں سیاسی، سماجی، معاشی اور مذہبی عوامل سبھی شامل تھے۔ہجرت کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی انسانی تہذیب کی تاریخ خود۔ درحقیقت انسانی تہذیب کی بنیاد ہی ہجرت پر رکھی گئی۔جب بھی انسانوں نے ہجرت کی، اس کے پیچھے کوئی عظیم مقصد یا اعلیٰ نصب العین کارفرما تھا۔اسلامی تاریخ بھی ہجرت کے واقعات سے بھری ہوئی ہے، جہاں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء نے ہجرت کا راستہ اختیار کیا تاکہ دین کی ترویج ہو سکے۔

ہجرت کے بنیادی اسباب میں وسائل کی کمی، ظلم و ستم، مذہبی و سیاسی تعصبات، بے عدلی اور معاشرتی کشمکش شامل رہے ہیں۔ہجرت بلاشبہ ایک کٹھن عمل ہے کیونکہ انسان جس ماحول کا عادی ہوتا ہے، اسے چھوڑنا روحانی اور جسمانی تکلیف کا باعث بنتا ہے۔مگر تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے جہاں انسانوں نے بہتر مستقبل یا اعلیٰ مقاصد کے لیے یہ قربانی دی۔

برصغیر میں مختلف اقوام جیسے دراوڑ، آریہ، یونانی، ستھ، عرب، ترک، افغان، پرتگیزی، فرانسیسی اور انگریز آ کر حکومت یا اثر و رسوخ حاصل کرتے رہے۔مسلمانوں نے تقریباً ایک ہزار سال تک ہندوستان پر حکمرانی کی، مگر انگریزوں کی آمد نے یہ توازن بگاڑ دیا۔انگریزوں نے ہندوؤں اور سکھوں کو اپنے ساتھ ملا کر مسلمانوں کو تنہا کر دیا۔ہندوؤں اور عیسائیوں کو سیاسی فائدے دیے گئے جبکہ مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔بالآخر لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی عجلت نے معاملات مزید بگاڑ دیے اور تقسیم انتہائی خونریز شکل اختیار کر گئی۔

تقسیم کے نتیجے میں جو ہجرت ہوئی، وہ تاریخ کی سب سے بڑی اور المناک ہجرت تھی۔ صرف پنجاب میں نوے لاکھ کے قریب مہاجرین نے پناہ لی۔ مہاجرین کی تعداد اور ان پر بیتنے والے مظالم کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔

گاندھی جی نے اس المناک صورتحال کو "زندہ انسانوں کی چیر پھاڑ "سے تعبیر کیا تھا۔

انگریز حکومت کی غیر منصفانہ تقسیم، مسلمانوں کے خلاف تعصب اور مسلم اکثریتی علاقوں کی ناجائز تقسیم نے مسلمانوں کو مجبور کیا کہ وہ اپنے لیے ایک الگ وطن کا مطالبہ کریں۔ دینی، سماجی، معاشی اور سیاسی تنازعات نے مسلمانوں کے لیے علیحدہ ریاست کا قیام ناگزیر بنا دیا۔

1947ء میں برصغیر کی تقسیم کے بعد جب لاکھوں مسلمان پاکستان ہجرت پر مجبور ہوئے تو یہ انسانی تاریخ کے بڑے بحرانوں میں سے ایک تھا۔ اس ہنگامی اور مشکل صورتحال میں علمائے کرام (علما) مہاجرین کی مدد اور بحالی کے اہم کردار کے طور پر سامنے آئے۔ ان کا کردار صرف روحانی رہنمائی تک محدود نہیں رہا بلکہ انہوں نے مہاجرین کی فوری اور طویل المدتی ضروریات کو پورا کرنے میں عملی کردار ادا کیا۔

علمائے کرام نے ذاتی طور پر مہاجر کیمپوں کا دورہ کیا، خوراک، لباس اور دیگر ضروری اشیاء تقسیم کیں، اور مساجد و مدارس کو عارضی پناہ گاہوں میں تبدیل کر دیا۔ جمعیت علمائے اسلام اور دیگر دینی و فلاحی تنظیموں کے ذریعے انہوں نے امدادی سرگرمیوں کو منظم کیا، معاشرے اور حکومت کو مہاجرین کی حالت زار سے آگاہ کیا، اور نظم و ضبط قائم رکھنے میں مدد کی۔

علماء نے نفسیاتی اور جذباتی سطح پر بھی مہاجرین کو سہارا دیا۔ خطبات اور مشوروں کے ذریعے انہوں نے صبر، ہمت، اور اسلامی اخوت کا پیغام دیا تاکہ مہاجرین مایوسی کا شکار نہ ہوں۔ ان کی کوششوں کے نتیجے میں حکومت کی توجہ مہاجرین کے مسائل کی طرف مبذول ہوئی۔ علما کی یہ خدمات نہ صرف ہمدردی کا مظہر تھیں بلکہ یہ ان کی ملت اسلامیہ اور پاکستان کے استحکام سے گہری وابستگی کا ثبوت بھی تھیں۔ ان کی کوششوں نے مہاجرین کی اخلاقی اور سماجی بحالی کی بنیاد فراہم کی۔

قیامِ پاکستان کے بعد سب سے بڑا انسانی المیہ وہ عظیم ہجرت تھی جس کے نتیجے میں تقریباً ایک کروڑ سے زائد مسلمان ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آئے۔ ان مہاجرین کو رہائش، روزگار، شناخت، تحفظ، اور سماجی قبولیت جیسے بے شمار چیلنجز کا سامنا تھا۔ اس نازک موقع پر جہاں حکومتِ پاکستان نے ان مہاجرین کی بحالی کے لیے اقدامات کیے، وہیں علماء کرام نے بھی مذہبی، سماجی، سیاسی اور معاشی میدانوں میں ایک ناقابلِ فراموش کردار ادا کیا۔

سیاسی کردار

پاکستان کے قیام کے فوراًبعد ریاست کو ایک مستحکم سیاسی ڈھانچے کی ضرورت تھی، اور اس میں علماء کرام نے نہ صرف قیامِ پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کا دفاع کیا بلکہ مہاجرین کے سیاسی تحفظ اور ان کے حقوق کے لیے بھی آواز بلند کی۔

، علماء نے مہاجرین کو پاکستان کے حقیقی شہری تسلیم کروانے کے لیے مہمات چلائیں۔ مولانا شبیر احمد عثمانی جو خود تحریکِ پاکستان کے عظیم راہنما تھے، نے قیام پاکستان کے بعد کراچی میں جلسوں اور تقاریر کے ذریعے حکومت کو یاد دلایا کہ یہ مہاجرین وہی ہیں جنہوں نے اپنے گھربار، مال ومتاع، عزیز و اقارب چھوڑ کر اسلامی ریاست کے خواب کی تعبیر کے لیے قربانی دی ہے۔

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی، جو جماعت اسلامی کے بانی تھے، نے متعدد تحریروں اور خطبات کے ذریعے اس امر پر زور دیا کہ ریاست مہاجرین کے ساتھ بطور "امانت دار" سلوک کرے، کیونکہ وہ اپنے ایمان کی بنیاد پر یہاں آئے ہیں۔[1]

معاشی کردار:

ہجرت کے بعد مہاجرین کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ وہ صرف جان بچا کر آئے تھے۔ ایسے میں علماء کرام نے نہ صرف مالی امداد کا بندوبست کیا بلکہ اپنے ذاتی وسائل بھی مہاجرین کے لیے وقف کیے۔

علماء نے زکوٰۃ، صدقات، فطرانے، اور قربانی کی کھالوں کے ذریعے ایک منظم مالیاتی نظام مرتب کیا۔ جماعت اسلامی نے "الخدمت فاؤنڈیشن" کے تحت مہاجرین کے لیے خوراک، لباس، اور رہائش کا بندوبست کیا۔ بہت سے علماء نے اپنے مدارس کو مہاجرین کے لیے عارضی کیمپوں میں تبدیل کر دیا۔ مولانا احتشام الحق تھانوی نے کراچی میں اپنے مدرسے کو مہاجر کیمپ میں تبدیل کر کے سینکڑوں افراد کو عارضی رہائش دی۔

کئی مذہبی رہنماؤں نے اپنے اثر ورسوخ کے ذریعے مہاجرین کے لیے ملازمتوں اور روزگار کے مواقع پیدا کیے۔ بعض نے چھوٹے کاروبار کے لیے مالی قرضوں کا بندوبست بھی کیا، تاکہ وہ مستقل طور پر معاشی طور پر خود کفیل ہو سکیں۔[2]

معاشرتی اور سماجی کردار:

ہجرت کے بعد مہاجرین کو معاشرتی سطح پر بھی کئی مسائل کا سامنا تھا۔ مختلف لسانی و ثقافتی گروہوں کے درمیان فاصلے، مقامی آبادی اور مہاجرین کے درمیان کشیدگی، اور احساسِ محرومی جیسے مسائل نے حالات کو پیچیدہ بنا دیا۔

علماء نے اپنے خطبات، دروس اور تحریروں کے ذریعے معاشرے میں بھائی چارے اور رواداری کو فروغ دیا۔ وہ ،مہاجرین اور مقامی افراد دونوں کو یہ یاد دلاتے رہے کہ ہم سب مسلمان ہیں، اور پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے جہاں سب کو برابری کے حقوق حاصل ہیں۔ مثال کے طور پر علامہ احسان الٰہی ظہیر نے پنجاب میں متعدد خطبات میں مقامی آبادی کو تلقین کی کہ مہاجرین کو بوجھ نہ سمجھا جائے بلکہ ان کی قربانیوں کا اعتراف کیا جائے۔

کئی علاقوں میں مہاجرین اور مقامی افراد کے درمیان جائیداد، رہائش یا زبان و تہذیب کے معاملات پر اختلافات پیدا ہوئے۔

ایسے میں علماء ثالثی کا کردار ادا کرتے رہے۔ انہوں نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جھگڑوں کو صلح کے ذریعے ختم کروایا۔

علماء نے مہاجر بچوں کی دینی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی تاکہ وہ معاشرے کا کارآمد حصہ بن سکیں۔ مدارس میں ان کے لیے مفت تعلیم، قرآن و حدیث کی تعلیمات، اور اخلاقی تربیت کے پروگرام شروع کیے گئے۔[3]

، قیام پاکستان کے بعد جب ریاست ایک نوزائیدہ حیثیت میں تھی اور ادارے ابھی مستحکم نہیں ہوئے تھے اس وقت علماء کرام نے سیاسی، معاشی، اور سماجی ہر سطح پر مہاجرین کے ساتھ کھڑے ہو کر ان کی فلاح و بہبود کو یقینی بنانے کی بھرپور کوشش کی۔ انہوں نے اپنے اثر و رسوخ، علم، اور وسائل کو استعمال کر کے مہاجرین کی آواز کو طاقت بخشی، ان کے دکھ درد کو بانٹا اور پاکستان میں انہیں ایک باعزت مقام دلانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

یہ کردار تاریخ کا وہ روشن باب ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ علماء صرف دینی رہنما ہی نہیں بلکہ عملی میدان میں قوم کے معمار بھی ہیں۔

مہاجرین کے لیے علماء کی تحریری خدمات:

پاکستان بننے کے بعد مہاجرین کی حالتِ زار پر علمائے کرام نے صرف زبانی نہیں بلکہ قلمی جہاد بھی کیا۔ رسائل، اخبارات اور پمفلٹس کے ذریعے انہوں نے قوم، حکومت اور اہلِ ثروت کو مہاجرین کی مدد کے لیے ابھارا۔ معروف محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:

قیام پاکستان کے فوراً بعد کئی رسائل و جرائد میں علماء نے مہاجرین کے مسائل پر خصوصی شمارے شائع" کیے، جن میں اخوتِ اسلامی، انسانی ہمدردی اور دینی فریضے کی بنیاد پر مدد کی اپیل کی گئی۔[4]

صوفیاء اور خانقاہوں کا کردار:

برصغیر کی خانقاہیں صدیوں سے روحانی تربیت اور عوامی خدمت کا مرکز رہی ہیں۔ قیامِ پاکستان کے وقت بھی پنجاب،سندھ اور خیبر پختونخوا میں موجود خانقاہوں نے مہاجرین کو پناہ دی اور ان کے کھانے، کپڑے اور رہائش کا بندوبست کیا۔

پروفیسر خورشید رضوی تحریر کرتے ہیں:

"خانقاہ سراجیہ (کندیاں)، خانقاہ قادریہ (گولڑہ) اور خانقاہ عالیہ موہری شریف نے مہاجرین کے قافلوں کے لیے سامانِ خورونوش اور وقتی پناہ فراہم کی۔"

خواتین کے لیے علماء کی کوششیں:

خواتین مہاجرین کی حالت نہایت تکلیف دہ تھی۔ ان کے لیے مدارسِ خواتین اور فلاحی ادارے قائم کیے گئے، جن میں دینی تربیت، قرآن وحدیث کی تعلیم اور ہنر سکھانے کا بندوبست کیا گیا۔

ڈاکٹر انیس احمد اپنی تحقیق میں لکھتے ہیں:

"خواتین کے لیے مولانا اشرف علی تھانوی کے شاگردوں نے کئی علاقوں میں دارالشفاء اور مکاتب قائم کیے تاکہ وہ باعزت زندگی گزار سکیں۔[5]

نوجوانوں کی دینی واخلاقی تربیت:

ہجرت کے بعد نوجوان نسل کی تربیت علماء کی اولین ترجیح تھی، تاکہ وہ اسلامی اقدار کو اپنائیں اور ایک نئی اسلامی ریاست کے مفید شہری بنیں۔

مفتی محمود حسن گنگوہی کے فتاویٰ میں درج ہے:

مہاجر نوجوانوں کے لیے مساجد میں خصوصی دروسِ قرآن وحدیث کا اہتمام کیا جائے تاکہ وہ نئی فضا میں دین سے جُڑے رہیں۔[6]

بین الاقوامی سطح پر آواز بلند کرنا:

بعض علمائے کرام نے بین الاقوامی سطح پر ہجرت کی مشکلات اور مسلمانوں کی مظلومیت پر آواز بلند کی۔ عالمی مسلم رہنماؤں کو خطوط لکھے گئے، تقاریر ہوئیں، اور مظلوم مہاجرین کے لیے عالمی امداد کی اپیل کی گئی۔ جیسا کہ مولانا ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں:

ہم نے عرب دنیا اور یورپ کے علماء و اہلِ خیر کو خطوط لکھے کہ وہ پاکستان میں آئے مہاجرین کی مدد" کریں۔ بعض عرب ملکوں نے مالی امداد بھی بھیجی۔[7]

علماء کا معاشی کردار:

قیامِ پاکستان کے بعد سب سے بڑا انسانی مسئلہ ہندوستان سے ہجرت کرنے والے مسلمانوں کی آبادکاری اور فلاح و بہبود کا تھا۔ ان لاکھوں مہاجرین کے لیے رہائش، خوراک، روزگار اور طبی سہولیات مہیا کرنا ریاست پاکستان کے ابتدائی وسائل سے کہیں زیادہ بڑا مسئلہ تھا۔ ایسے میں علمائے اہلِ سنت نے دینی، اخلاقی اور معاشی سطح پر جو کردار ادا کیا، وہ تاریخ میں سنہرے الفاظ میں لکھا جائے گا۔

علمائے کرام نے منبروں، اجتماعات، خطباتِ جمعہ اور دینی مدارس کے ذریعے عوام الناس میں ایثار، قربانی اور بھائی چارے کا جذبہ پیدا کیا۔ وہ مسلسل عوام سے کہتے رہے کہ مہاجرین ہمارے جسم کا حصہ ہیں، ان کی خدمت عبادت ہے۔ اس اخلاقی تعلیم نے عوام میں ایسا جذبہ پیدا کیا کہ عام لوگوں نے اپنے گھروں کے دروازے ان مہاجر بھائیوں کے لیے کھول دیے۔

مالی امداد و فنڈز کا قیام:

علماء نے متعدد امدادی کمیٹیاں قائم کیں جن میں زکوٰۃ، صدقات، فطرہ اور عطیات اکٹھے کر کے مہاجرین کے لیے بنیادی ضروریاتِ زندگی مہیا کی گئیں۔ خاص طور پر:

جمیعت العلمائے پاکستان اور دیگر سنی تنظیموں نے مہاجرین کی مالی مدد کے لیے عوامی مہمات چلائیں۔

مولانا سید مظفر علی شاہ اور مولانا محمد عبد الستار خان نیازی جیسے رہنماؤں نے مالیاتی امداد کے لیے اجتماعات میں اپیلیں کیں اور عطیات کی نگرانی خود کی۔

دینی مدارس نے اپنی رقوم اور طلبہ کے چندے مہاجرین پر خرچ کیے۔ کئی علماء نے ذاتی زمینیں وقف کیں یا رہائشی منصوبوں کی سرپرستی کی۔ مثلاً کراچی اور لاہور میں بعض مدارس و خانقاہوں نے مہاجرین کو پناہ دی۔

بعض خانقاہی سلاسل نے مستقل بنیادوں پر آبادکاری اسکیمیں شروع کیں جن میں رہائش، روزگار اور تعلیم کے مواقع فراہم کیے گئے۔

روزگار کے مواقع:

علمائے کرام نے اپنے اثر ورسوخ کو استعمال کر کے صنعتکاروں، زمینداروں اور تاجروں کو ترغیب دی کہ مہاجرین کو روزگار دیں۔ کئی علماء خود چھوٹے پیمانے پر کارخانے اور دستکاری مراکز قائم کرنے میں پیش پیش رہے تاکہ مہاجرین معاشی لحاظ سے خود کفیل ہو سکیں۔

علماء نے اس وقت کی حکومت پر دباؤ ڈالا کہ مہاجرین کے لیے مناسب بجٹ اور اسکیمیں مختص کی جائیں۔ انہوں نے مہاجرین کے مسائل کو اسمبلی میں پہنچانے کے لیے مسلم لیگ کے رہنماؤں سے رابطے کیے۔ کچھ علماء خود بھی مہاجرین کے نمائندے بن کر حکومتی اداروں سے بات چیت کرتے رہے۔

تحریکِ پاکستان کے بعد علماء نے مہاجرین کی بحالی میں محض روحانی یا دینی کردار ہی نہیں ادا کیا بلکہ ایک منظم معاشی جدوجہد بھی کی۔ ان کے قائم کردہ امدادی ادارے، مالیاتی فنڈز، عوامی ترغیبات اور ذاتی خدمات آج بھی ایک مثال کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان خدمات کی بدولت لاکھوں مہاجرین کو نئی زندگی ملی اور پاکستان کی معاشرتی بنیادیں مضبوط ہوئیں۔

جدوجہدِ آزادی کے نتیجے میں پاکستان معرض وجود میں آیا تو اس وقت برطانوی نوآبادیاتی حکمرانوں نے اپنی ذمہ داری سے صرف نظر کرتے ہوئے کسی بھی حوالے سے تقسیم سے متعلق کوئی پیپر ورک نہیں کیا تھا، نہ مقامی اور علاقائی انتظامیہ کو اس حوالے سے کسی قسم کی کوئی ہدایات جاری کی گئیں کہ تقسیم کے لیے کون کون سے بنیادی چیلنجز ہیں اور ان کی تیاری کیسے کرنی ہے پنجاب کی تقسیم کے حوالے سے سکھوں نے پہلے ہی اس حوالے سے خبردار کر دیا تھا کہ وہ کسی بھی صورت میں پنجاب کی تقسیم نہیں ہونے دیں گے اور پس پردہ وہ پنجاب کی تقسیم کی مزاحمت کے لیے بھی تیاری کر رہے تھے–اس وقت کے پنجاب کے گورنر نے اپنی رپورٹس میں واضع طور پر ماؤنٹ بیٹن کو لکھا کہ یہاں تصادم اور پر تشدد فسادات کے امکانات ہیں لیکن کسی قسم کی کوئی تیاری نہیں کی گئی اور نا مقامی سطح پر عوام کو پر امن رہنے کے لیے کوئی لائحہ عمل تشکیل دیا گیا-

جیسے ہی تقسیم کا اعلان ہوا تو ہر طرف پر تشدد فسادات شروع ہو گئے اور ان فسادات میں وقت کے ساتھ ساتھ شدت آتی گئی تو اس وقت کے ماحول میں واحد علماء ہی تھے جنہوں نے آگے بڑھ کر نا صرف عوام کو پر امن رکھنے کی کوشش کی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اپنے حلقۂ اثر لوگوں کو کسی بھی قسم کی پر تشدد سرگرمی کا حصہ بننے سے منع کیا بلکہ بنفسِ نفیس شامل ہو کر نا صرف لوگوں کو پر امن طریقے سے ان کے مقامات تک پہنچایا اور ان کے لیے اپنے گھروں اور مدرسوں کے دروازے کھول دیے–

علما کے اس کردار کا تجزیہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ جس طرح انہوں نے قیامِ پاکستان کیلئے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر عملی کردار ادا کیا اسی طرح جب فسادات شروع ہوئے تو بھی انہوں نے اپنے حلقہ احباب اور عقیدت مندوں کو پُر امن رہنے کی اپیل کی اور انہیں کسی بھی قسم کی پر تشدد سرگرمی کا حصہ نہیں بننے دیا۔اس کے بعد جب ہجرت کا وقت آیا تو تب بھی علم نے اپنا کردار اپنے پیغام کے مطابق کسی بھی قسم کی مذہبی تفریق یا تعصب سے دور رہ کر بلا تفریقِ رنگ و نسل لوگوں کو اپنے گھروں میں پناہ دی اور اس وقت تک ان کا ساتھ دیا جب تک کہ وہ صحیح سلامت اپنی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ گئے اور اس مقصد میں بہت سے علماء نے اپنی جان کی بھی پرواہ نہ کی اور لوگوں کو بچاتے ہوئے اپنی جان قربان کر دی علماء بارڈر کے دونوں طرف اسی قسم کا کردار ادا کرتے ہوئے نظر آئے چاہے وہ پاکستان سے ہجرت کر کے جانے والے لوگ تھے تو یہاں موجود علماء نے ان کی ہر حوالے سے حفاظت کی اور انہیں آخری حد تک محفوظ طریقے سے ٹرین تک پہنچایا۔اسی طرح سرحد کے دوسری طرف جو علماء تھے چونکہ وہاں مسلمان اکثریت میں نہیں تھے تو وہاں پر بھی مسلمانوں نے ان کو پناہ دی تو اس حالت میں علماء نے بڑے منظم طریقے سے ان کو بلوائیوں کے حملوں سے بچا کر پاکستان روانہ کیا اور خود آخر میں پاکستان آئے اور جب وہ پاکستان میں پہنچے تو ان کے ساتھ لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہوتی تھی تو انہوں نے مہاجرین کیمپوں میں انتظامیہ کی بہت مدد کی چاہے وہ لاہور کا والٹن کیمپ یا سرگودھا کا مہاجرین کیمپ یا ملک کے طول و عرض میں دیگر مہاجر کیمپ تھے۔

ہجرت کے بعد سب سے بڑا چیلنج رہائش اور بحالی کا تھا تو علماء نے بڑی دلجمعی سے اپنے عقیدت مندوں کے ساتھ مل کر مہاجرین کیمپوں میں بھی اور اس کے علاوہ جہاں جہاں وہ آباد ہوئے وہاں پر مہاجرین کا پورا پورا ساتھ دیا اور انہیں آباد ہونے اور بحالی میں مدد کی۔اس کے علاوہ بعض علاقوں مثلاً سرگودھا اور ملتان اور ملک بھر میں جگہ جگہ علماء نے مہاجرین کی انجمنیں بنائیں اور ان انجمنوں اور کمیٹیوں کے ذریعے انتظامیہ اور حکومتی عہدیداروں کی توجہ مہاجرین کے مسائل کی طرف دلائی اور جب تک ان کے مسائل حل نہیں ہوگئے انہیں نا صرف اپنے پاس اپنی گھروں میں پناہ دی بلکہ ان کی تمام بنیادی ضروریات کا بھی خیال رکھا۔حتیٰ کہ بہت سے ایسے لوگ تھے جن کے خاندان شہید ہوگئے یا لاپتہ ہوگئے تو انہوں نے علماء کے اس حسنِ سلوک سے متاثر ہو کر علماء کے گرویدہ بن گئے تو یہ علماء کا وہ کردار ہے جو ابھی تک ماضی کی دھندلاہٹ میں چھپا ہوا ہے اس کو نا صرف دریافت کرنے کی ضرورت ہے بلکہ علماء کے اس کردار کو آج کے اس پر فتن اور تشدد کے دور میں عام کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ واحد تریاق ہے جو آج کل کے دور میں معاشرے میں عام ہونے والے تشدد اور عدم برداشت کے زہر کو ختم کر کے ہمارے معاشرے کو

پھر سے امن، محبت، بھائی چارہ اور بین المذاہب ہم آہنگی کی وہ منزل حاصل ہو جائے جس کے حصول کے لیے بانیانِ پاکستان نے محنت کی اور لاکھوں لوگوں نے قربانیاں پیش کیں۔

برطانوی سامراج کے زیرِ سایہ پروان چڑھنے والے نظریہ قومیت کے درخت نے برصغیر کے تکثیری رنگ کو سیاسی و سماجی، مذہبی اور نسلی ولسانی تفریقوں سے داغدار کر دیا ہے۔[8]

یہ تفریقیں برصغیر کے معاشرے کی ایسی دراڑیں ثابت ہوئیں کہ برصغیر کے مسلم حکمرانوں نے ہزار سال تک جو ملٹی کلچرل ازم اور بین المذاہب ہم آہنگی کا معاشرہ تشکیل دیا برطانوی سامراج اور ہندوتوا ذہنیت کی وجہ سے قائم نہ رہ سکا جس کے نتیجے میں نا صرف تقسیمِ ہند کے نتیجے میں دو ممالک وجود میں آئے بلکہ ان تفریقوں کے نتیجے میں پُر تشدد فسادات، قتلِ عام اور انسانی تاریخ کی سب سے بڑی ہجرت جیسے واقعات نے آزادی کی خوشی کو دکھ میں تبدیل کر دیا۔[9] تقسیمِ ہند کے بعد دونوں ممالک نے مہاجرین کی بحالی اور ان کی رہائش کی کوشش کی۔

تقسیم ہند کوئی ایک اکیلا واقعہ نہیں تھا جو اچانک وقوع پذیر ہوا ہو لیکن یہ واقعات کا ایک ایسا سلسلہ تھا جس میں سیاسی و سماجی اور معاشی و معاشرتی اور مذہبی عوامل شامل تھے۔[10] جیسا کہ پنجاب کی برطانوی قیادت پر یہ بات واضح تھی کہ پنجاب کی تقسیم کے نتیجے میں مسلمانوں، سکھوں اور ہندوؤں کے درمیان پر تشدد واقعات شروع ہو سکتے ہیں۔[11] اس لیے یہ ان کا پہلا فرض تھا کہ وہ ان غیر انسانی پر تشدد واقعات کو روکنے کے لیے اقدامات کریں جن میں دو لاکھ سے زیادہ لوگ شہید ہوئے اور ایک بہت بڑی تعداد بے گھر ہوئی۔ ان علاقوں کی انتظامیہ کے علاوہ بعض مختلف سماجی اور علاقائی گروہوں نے ان پر تشدد واقعات کا ساتھ دیا اور بعض نے ان پر تشدد واقعات کو روکنے کی کوشش کی۔

جیسا کہ یہ واضح ہے کہ حکومتی و سیاسی انتظامیہ کے علاوہ علما ایسا سماجی گروہ ہیں جن کا معاشرے میں اثر و رسوخ اور ان کی پیروی کرنے والوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ علماء اپنی محبت، عزت اور انسانیت دوستی پر مبنی بغیر کسی مذہبی اور سماجی تفریق پر مبنی سلوک کی وجہ سے جانے جاتے ہیں یہ تاریخی طور پر واضح اور تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ برصغیر میں علم کی وسیع پیمانے پر پیروی اور ان کے اثر ورسوخ کی وجہ سے ایک ہزار سال تک مسلمانوں نے ایسے معاشرے کو پروان چڑھایا جس کی بنیاد انسانیت پر رکھی گئی تھی اور اس معاشرے میں بسنے والے تمام لوگ چاہے ان کا تعلق کسی بھی مذہب، گروہ، سے تھا انہیں انسانیت کی بنیاد پر تمام شہریوں کی طرح برابر حقوق حاصل تھے۔ ان علماء نے انفرادی و اجتماعی حیثیت میں سیاسی و سماجی اور اصلاحی تحریکوں میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ تحریک پاکستان

ان واقعات میں سے ایک ہے جس میں علم نے ناصرف اپنے عقیدت مندوں کو مسلم لیگ کا ساتھ دینے کی اپیل کی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے بنفسِ نفیس تحریکِ پاکستان میں کردار ادا کیا۔

میاں محمد بخش قادری چشتی :

پیدائش 1921ء) کا تعلق جھنگ کے ایک بااثر مذہبی خاندان سے تھا-ان کے بہت سارے مرید اور عقیدت مند تھے اور اپنے علاقے میں ان کا خاصہ اثر ورسوخ تھا-انہوں نے جدوجہدِ آزادی میں بھرپور کردار ادا کیا- تقسیمِ ہند کے وقت مہاجرین کی بہت بڑی تعداد نے جھنگ اور اس کے گرد و نواح میں ہجرت کر کے آئے- میاں محمد بخش قادری چشتی نے مہاجرین کی آبادکاری اور بحالی میں ایک ذمہ دار کی حیثیت سے کام کیا-انہوں نے اپنے عقیدت مندوں کو حکم دیا کہ وہ مہاجرین کو خوش دلی سے خوش آمدید کہیں-انہوں نے اپنے عوام کو مہاجرین کی خدمت اور مدد کیلیے متوجہ کرنے کیلیے حضورِ اکرم (ﷺ) کی ہجرت کا حوالہ دیا-انہوں نے اپنے گھر کے کھانے سے مہاجرین کی دیکھ بھال کی اورانہوں نے بحالی کے کاموں میں مقامی حکومت کے ساتھ مل کر کام کیا۔[12]

مولانا محمد شفیع اوکاڑوی:

پیدائش 1930ء) کا تعلق مشرقی پنجاب کے علاقے کھیم کرن سے تھاوہ حضرت میاں غلام اللہ شرقپوری کے مرید تھے اور انہیں اپنے مرشد سے مسندِ ارشاد کی اجازت ملی- تقسیمِ ہند کے وقت انہوں نے بھی اپنے خاندان کے ساتھ پاکستان کی طرف ہجرت کی-جب وہ لاہور کے مہاجرین کے کیمپ میں پہنچے انہوں نے کئی ہفتوں تک مہاجرین کے کیمپ کے انتظامی معاملات میں خدمات سرانجام دیں اس کے بعد اوکاڑہ میں رہائش پذیر ہوگئے انہوں نے اوکاڑہ میں ایک مسجد قائم کی اور وہاں سے مہاجرین کی بحالی میں کردار ادا کیااس لیے وہ مسجد جامع مسجد مہاجرین کے نام سے مشہور ہوگئی- کیونکہ وہ خود ایک مہاجر تھے اور ہجرت کی مشکلات اور مسائل سے بخوبی واقف تھے اس لیے انہوں نے مقامی انتظامیہ کے ساتھ مل کے عملی بنیادوں پر بحالی اور رہائش کے کاموں میں شرکت کی۔[13]

مولانا غلام محمد شاہ:

پیدائش 1912ء) کا تعلق جھنگ سے تھا-ان کا تعلق ایک مشہور سید گھرانے سے تھا جن کا اپنے علاقے میں بہت سیاسی اثر ورسوخ تھا-ہجرت کرنے والے ہندوؤں اور سکھوں کی جان ومال و آبرو کی حفاظت میں ساتھ دیا اور تب تک ان کے ساتھ رہے جب تک ان کو ٹرین پر بٹھا کر روانہ نہیں کر دیا-انہوں نے اپنے سیاسی اثر ورسوخ کو استعمال کیااور مہاجرین کی رہائش کے لیے انہیں زمینیں الاٹ کروا کر دیں اور اپنے معتقدین کو حکم دیا کہ وہ مہاجرین کی تمام بنیادی ضروریات کا خصوصی خیال رکھیں۔[14]

مولانا لئیق حسین شاہ :

کا تعلق کرنال سے تھا- وہ تحریک پاکستان کے ایک سرگرم رکن تھے- ان کا تعلق اپنے علاقے کے ایک بااثر مذھبی اور سید خاندان سے تھا- ان کے اس اثر ورسوخ اور عوامی خدمات کی وجہ سے انہیں کرنال کے علاقے میں نیشنل گارڈز کے سالارِ اعلیٰ کے عہدے کی پیشکش کی گئی- تقسیمِ ہند کے وقت جب فسادات شروع ہوئے تو انہوں نے اپنے ماتحت لوگوں کو پر امن رہنے اور کسی قسم کی پر تشدد کاروائی کا حصہ نہ بننے کو کہا- انہوں نے 200 سے زیادہ مہاجرین کو اپنے پاس پناہ دی اور ان کے ساتھ پاکستان کی طرف ہجرت کی- جب کرنال سے پہلی ٹرین مہاجرین کو لے کر روانہ ہوئی تو اس وقت انہوں نے بہت سارے نیشنل گارڈز کے ذریعے ٹرین کو محفوظ بنانے کے لیے ٹرین پر سوار ہوئے- اس ٹرین پر راستے میں تین دفعہ مسلح سکھوں اور ہندوؤں نے حملہ کیا اور بہت سارے لوگ شہید ہو گئے- جب وہ لاہور پہنچے تو مہاجرین کیمپ میں انتظامیہ کے ساتھ مل کے کام کیا۔[15]

مولانا سید وزارت حسین نقوی:

کا تعلق سہارن پور سے تھا- وہ اپنے سید خاندان کے سربراہ تھے وہ تحریکِ پاکستان کے بہت سرگرم رکن تھے اور جب مہاجرین کی ریل گاڑیاں سہارن پور سے گزرتی تھیں تو وہ اپنے عقیدت مندوں کی مدد سے مہاجرین کو کھانا پینا اور دوسری بنیادی اشیاء فراہم کرتے تھے- انہیں اس کام سے روکنے کے لیے سکھوں اور ہندوؤں کی طرف سے تین دفعہ حملہ کیا گیا- حتیٰ کہ انہیں مارنے والے کے لیے انعام کا اعلان کر دیا گیا- اس کے بعد انہوں نے ہجرت کا فیصلہ کیا اور بریلی سے آنے والی ریل گاڑی پر سوار ہو کر پاکستان کے لیے روانہ ہو گئے ۔[16]

پیرزادہ مولوی عبد الحمید جالندھری:

کا تعلق جالندھر سے تھا- ان کا تعلق ایک علمی روحانی خدمات کی وجہ سے مشہور خاندان سے تھا- ان کے خاندان کے بہت سارے مریدین اور عقیدت مند تھے-

تقسیم کے وقت جب پر تشدد واقعات شروع ہوئے تو حکومتی نمائندوں کی طرف سے انہیں پیشکش کی گئی کہ آپ کو ہوائی راستے سے پاکستان پہنچا دیتے ہیں لیکن انہوں نے اس بات پر انکار کر دیا کہ میں اپنے عقیدت مندوں کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا-

انہوں نے اعلان کیا کہ مَیں تب تک پاکستان ہجرت نہیں کروں گا جب تک ان کے علاقے کے تمام مسلمان ہجرت نہیں کر جاتے اور میں ان سب کے بعد آخر میں ہجرت کروں گا۔[17]

ابو الحسنات مولانا سید محمد احمد قادری:

کا تعلق راجھستان سے تھا انہوں نے لاہور میں حسنات العلوم کے نام سے مدرسہ قائم کیا- انہوں نے اس مدرسے میں بہت سارے مہاجرین کو پناہ دی اور ان کی بنیادی ضروریات کا خیال رکھا اور وہ تب تک یہاں رہے جب تک انتظامیہ کی طرف سے انہیں باقاعدہ رہائش کے لیے جگہ الاٹ نہیں ہوگئی۔[18]

مولانا سید غلام محی الدین گیلانی:

کا تعلق اسلام آباد میں واقع گولڑہ شریف دربار سے تھا-ان کے چاہنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے- تقسیم ہند کے وقت انہوں نے بنفسِ نفیس مہاجرین کی ہجرت اور پاکستان آنے والے مہاجرین کو خوش آمدید کہنے کے کام میں شرکت کی اور خود جاکر ریلوے سٹیشن پر مہاجرین کو خوش آمدید کہا-انہوں نے بہت بڑی مقدار میں اشیاءِ خورد و نوش اور کپڑوں کا انتظام کیا اور مہاجرین کو دیے-انہوں نے پاکستان سے ہجرت کرنے والے لوگوں کے تحفظ کے لیے اپنی نگرانی میں مہاجرین کو ٹرین پر بٹھا کر آئے۔[19]

خلاصہ:

علمائے کرام نے مہاجرین کی بحالی کے لیے جو کردار ادا کیا، وہ صرف وقتی ہمدردی تک محدود نہیں تھا بلکہ ایک منظم اور دیرپا خدمت تھی۔ انہوں نے نہ صرف انفرادی سطح پر مدد کی بلکہ مختلف دینی جماعتوں اور فلاحی اداروں کے ذریعے اجتماعی کوششیں بھی کیں۔ جمعیت علمائے اسلام، جمعیت علمائے پاکستان اور دیگر تنظیموں نے مہاجرین کی فہرستیں تیار کیں، ان کے لیے رہائش، تعلیم اور روزگار کے مواقع پیدا کیے۔

کئی علمائے کرام نے مہاجرین کی ذہنی و نفسیاتی بحالی پر بھی توجہ دی۔ وہ خطبات، دروس اور ملاقاتوں کے ذریعے مہاجرین کو صبر، شکر اور اسلامی اخوت کا درس دیتے رہے تاکہ وہ مایوسی کا شکار نہ ہوں۔ اس کے علاوہ، بعض علماء نے حکومت پر دباؤ ڈالا کہ وہ مہاجرین کی آبادکاری کے لیے جلد اور مؤثر اقدامات کرے۔ علماء کی یہ خدمات نہ صرف انسانی ہمدردی کی اعلیٰ مثال ہیں بلکہ اس بات کا ثبوت بھی ہیں کہ قیامِ پاکستان کے بعد کے نازک حالات میں دینی قیادت نے ایک فعال، رہنما اور ہمدردانہ کردار ادا کیا۔

علماء نے نہ صرف مہاجرین کو دینی و اخلاقی طور پر حوصلہ دیا بلکہ عملی طور پر بھی ان کی مدد کی۔ کئی علماء نے مہاجر کیمپوں کا دورہ کیا، خوراک، لباس اور رہائش کا بندوبست کیا اور حکومت کو توجہ دلائی کہ مہاجرین کی ضروریات کو فوری پورا کیا جائے۔ بعض علماء نے اپنے مدارس و مساجد کو بھی مہاجرین کی پناہ گاہ بنایا۔ یوں ان کی کوششوں سے لاکھوں مہاجرین کو سہارا ملا اور وہ نئے وطن میں اپنی زندگی دوبارہ شروع کرنے کے قابل ہوئے۔

نتائج البحث

قیامِ پاکستان کے وقت مسلمانوں کی وسیع پیمانے پر ہجرت نے ایک شدید انسانی بحران کو جنم دیا۔ اس نازک صورتحال میں علمائے کرام نے نہایت اہم کردار ادا کیا۔ ان کے کردار کے اہم نتائج درج ذیل ہیں:

- پناہ گزینوں کی فوری امداد: علمائے کرام نے ذاتی طور پر کیمپوں کا دورہ کیا، خوراک، لباس اور بنیادی ضروریات کی اشیاء تقسیم کیں، اور مساجد و مدارس کو عارضی پناہ گاہوں میں تبدیل کر دیا۔
- تنظیمی سطح پر خدمات: جماعتی اور مذہبی تنظیموں، بالخصوص جمعیت علماء اسلام اور دیگر مذہبی اداروں کے ذریعے امدادی کاموں کو منظم کیا گیا اور حکومتی و سماجی اداروں کی توجہ مہاجرین کی مشکلات کی طرف مبذول کرائی گئی۔
- ،نفسیاتی اور روحانی بحالی: علماء نے خطبات اور مشاورتی نشستوں کے ذریعے مہاجرین میں صبر، حوصلہ اخوت اور امید کی روح پھونکی تاکہ ان کے نفسیاتی زخموں کا مداوا ہو سکے۔
- قومی یکجہتی میں کردار: مہاجرین کو نئی زندگی کی تعمیر میں مدد فراہم کرتے ہوئے علماء نے قومی یکجہتی، مذہبی ہم آہنگی اور خدمتِ خلق کو فروغ دیا۔
- ریاستی توجہ کا حصول: علمائے کرام کی کاوشوں سے حکومت کی طرف سے مہاجرین کے مسائل کو سنجیدگی سے لیا گیا، جس سے حکومتی امدادی اقدامات میں بہتری آئی۔
- دینی و معاشرتی اقدار کا احیاء: علمائے کرام کی سرگرمیوں نے ہجرت کے بعد معاشرتی اور دینی اقدار کے تحفظ اور فروغ میں بنیادی کردار ادا کیا۔

سفارشات

علمائے کرام کے لیے سفارشات برائے مہاجرین سے سلوک–موجودہ دور کے تناظر میں

ا۔رحم و شفقت کا رویہ اپنائیں

علمائے کرام کو چاہیے کہ مہاجرین کے ساتھ رواداری، ہمدردی اور دینی بھائی چارے کا عملی مظاہرہ کریں۔ ان کے لیے مساجد اور مدارس کو پناہ و راحت کے مراکز کے طور پر استعمال کیا جائے، جیسا کہ 1947 کے دور میں کیا گیا تھا۔

۲۔ دینی واخلاقی رہنمائی فراہم کریں

مہاجرین کے روحانی زخموں کا مداوا دینی تعلیم وتربیت سے کیا جا سکتا ہے۔ علمائے کرام خطبات، دروس اور مشاورت کے ذریعے ان میں صبر، توکل اور امید پیدا کریں۔

۳۔ رفاہی وفلاحی خدمات کا نظام قائم کریں

مقامی علماء رفاہی تنظیموں کے تعاون سے خوراک، لباس، رہائش اور علاج جیسے بنیادی مسائل کے حل میں کردار ادا کریں، جیسا کہ علما نے تحریکِ پاکستان کے بعد کیا تھا۔

۴۔ سماجی انضمام کی کوشش کریں

مہاجرین کو معاشرے میں جذب کرنے کے لیے مقامی افراد کو ان سے حسن سلوک، تعاون اور اخوت کا سبق دیا جائے، تاکہ وہ تنہائی، نفرت یا احساس کمتری کا شکار نہ ہوں۔

۵۔ حکومتی پالیسی سازی میں کردار ادا کریں

، علمائے کرام حکومت اور رفاہی اداروں پر اثر انداز ہو کر ایسی پالیسیاں بنوانے میں مدد کریں جو مہاجرین کے حقوق تعلیم، صحت اور روزگار کے لیے معاون ہوں۔

۶۔ بین المذاہب ہم آہنگی کو فروغ دیں

اگر مہاجرین کا تعلق مختلف مسالک یا ثقافتوں سے ہو تو علما کو اتحادِ امت اور دینی ہم آہنگی کا درس دے کر نفرت یا فرقہ واریت کے امکانات کو روکنا چاہیے۔

۷۔ اسلامی اقدار کا عملی مظاہرہ کریں

علما کو چاہیے کہ سیرتِ نبوی سے رہنمائی لے کر انصار مدینہ کی مثال سامنے رکھتے ہوئے مہاجرین کی خدمت کو دینی فریضہ سمجھ کر انجام دیں، تاکہ وہ اسلام کی جمالیات اور عدل ورحم سے واقف ہو سکیں۔

حوالہ جات

[1] مولانا مودودی، خطبات، جلد دوم، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، 1955، ص 87

[2] ڈاکٹر محبوب علی، پاکستان کی سماجی وسیاسی تاریخ، کراچی: نشریات، 2004، ص 193

[3] ڈاکٹر منظور احمد، پاکستان میں اسلام اور ریاست کا ارتقاء، اسلام آباد: اسلامی تحقیقاتی مرکز، 2010، ص 149

[4]ماہنامہ برہان، دہلی، شمارہ دسمبر 1947ء

[5]رسالہ اسلامی تہذیب و تمدن، جامعہ اسلامیہ بہاولپور، 1999ء

[6]فتاویٰ محمودیہ، جلد 1، صفحہ 334

[7]کتاب: کاروانِ زندگی، جلد دوم

[8] Michael Gottlob, "India's Unity in Diversity as Question of Historical Perspective," Economic and Political Weekly,

[9] Paul R. Brass, "The Partition of India and Retributive Genocide in the Punjab, 1946-47: means, methods and purposes," Journal of the Genocide Research,

[10] David Gilmartin, "Partition, Pakistan and South Asian History: In Search of a Narrative", Journal of South Asian Studies,

[11] Farah Gul Baqai, "Sir Evan Jenkins and the 1947 Partition of the Punjab", Pakistan Journal of History and Culture,

[12] میاں محمد بخش قادری چشتی، تحریکِ پاکستان میں کردار، ایوانِ کارکنان تحریکِ پاکستان لاہور، غیر مطبوعہ فائلز (جھنگ)، 1947ء، فائل نمبر: 621

[13] مولانا شفیع اوکاڑوی، تحریکِ پاکستان میں کردار، ایوانِ کارکنان تحریکِ پاکستان لاہور، غیر مطبوعہ فائلز (اوکاڑہ)، 1947ء، فائل نمبر درج نہیں۔

[14] سید غلام محمد شاہ، تحریکِ پاکستان میں کردار، ایوانِ کارکنان تحریکِ پاکستان لاہور، غیر مطبوعہ فائلز (جھنگ)، 1947ء، فائل نمبر: 445

[15] سید لئیق حسین شاہ، تحریکِ پاکستان میں کردار، ایوانِ کارکنان تحریکِ پاکستان لاہور، غیر مطبوعہ فائلز (سرگودھا)، 1947ء، فائل نمبر: 220

[16] سید وزارت حسین نقوی، تحریکِ پاکستان میں کردار، ایوانِ کارکنان تحریکِ پاکستان لاہور، غیر مطبوعہ فائلز (بھکر)، 1947ء، جی ایم 2000/35 فائل نمبر: 2566

[17] پیرزادہ عبدالحمید جالندھری، تحریکِ پاکستان میں کردار، ایوانِ کارکنان تحریکِ پاکستان لاہور، غیر مطبوعہ فائلز (لاہور)، 1947ء، جی ایم 1991/825 فائل نمبر: 825

[18] ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، تحریکِ پاکستان میں کردار، ایوانِ کارکنان تحریکِ پاکستان لاہور، غیر مطبوعہ فائلز (لاہور)، 1947ء، جی ایم 1990/1831 فائل نمبر: 1831

[19] M Ismail Sethi, The living truth: Babu Jee ... Syed Ghulam Mohy-ud-Din, Translation: Prof. Muhammad Essa Khan, Islamabad: Aiwan e Mehr Ali Shah, Islamabad, 2002, p. 108